ڈاکٹر طاہر محمود
ایس ایس ای اردو گورنمنٹ بوائز ہائی سکول ترائیہ، راولپنڈی

اردو افسانہ اور کشمیر میں ہونے والی ناانصافیاں

Urdu Short Stories and the Injustices in Kashmir

Abstract:

The Kashmir issue did not originate after the partition of the Indian subcontinent in 1947; rather, it was a premeditated problem deliberately sustained by colonial powers to maintain discord between India and Pakistan. The roots of the conflict trace back to the Treaty of Lahore in 1846, under which the British sold the region of Kashmir to the Hindu Dogra ruler, Gulab Singh, for 7.5 million rupees. Under Dogra rule, Kashmiri Muslims faced extreme oppression—socially, politically, economically, and religiously. Excessive taxation, denial of educational and religious freedoms, and systemic discrimination forced many Muslims to migrate or live under severe hardship.

The 20th century saw the emergence of political awareness among Kashmiris, fueled by the efforts of leaders like Allama Iqbal and various local movements. Significant events such as the 1931 protests and the formation of the All India Kashmir Committee marked the rise of the Kashmiri freedom movement. Despite brief unity under the All Jammu and Kashmir Conference, political divisions emerged, particularly between Sheikh Abdullah's National Conference and Chaudhry Ghulam Abbas's revived Muslim Conference.

In 1946, widespread rebellion broke out against the Dogra regime, with several areas being liberated by local fighters. As the British announced the partition of India, Muslim-majority regions were to join Pakistan. However, Maharaja Hari Singh, the ruler of Kashmir, delayed accession, fearing the state's likely integration into Pakistan. Although Pakistan agreed to a standstill agreement, India did not respond and allegedly plotted

Kashmir's annexation. These historical events set the foundation for the unresolved Kashmir dispute, which continues to affect regional peace and stability to this day.

Key Words:
Kashmir Conflict, Dogra Rule, Treaty of Lahore 1846, Gulab Singh, British Colonial Policy, Muslim Oppression, Political Awakening, Allama Iqbal, Muslim Conference

مسئلہ کشمیر کے پس منظر پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ قیام پاکستان کے بعد پیدا نہیں ہوا بلکہ متحدہ برصغیر کے وقت سے اس کو دانستہ طور پر دونوں ممالک میں وجہ تنازعہ رکھ دیا گیا تھا۔ انگریزوں نے ہندوستان اور پاکستان میں نفرت کو فروغ دینے کے لیے اس مسئلہ کو باقی رکھا۔ نوآبادیاتی آقاؤں کے بہت سے مفادات اس مسئلہ کے باقی رہنے سے جڑے ہوئے تھے، اسی لیے اس مسئلہ کو تقسیم کے وقت پیدا کیا گیا۔

۱۸۴۶ء میں جب سکھوں کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو دونوں کے درمیان معاہدہ لاہور طے پایا۔ اس معاہدہ کے تحت کشمیر اور اس کے گرد و نواح کا پہاڑی علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ جنھوں نے کچھ ہی دن بعد گلاب سنگھ کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی سکوں کے بدلے فروخت کر دیا۔ اس معاہدہ کے تحت پوری ریاست کشمیر اور اس کے ارد گرد کے علاقے ہندو ڈوگرہ گلاب سنگھ کے حوالے کر دیے گئے۔ اس معاہدے کے بعد ڈوگروں نے کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ وہ اس ظلم و ستم میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ وہ کسی مسلمان کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ ڈوگرہ راج میں مسلمانوں کو نہ صرف تعلیمی، سیاسی، سماجی، اقتصادی شعبوں میں پسماندہ رکھنے کی کوشش کی گئی بلکہ مسلمانوں سے ان کی مذہبی آزادی بھی چھین لی گئی۔ مسلمانوں پر آمدنی سے زیادہ ٹیکس لگا دیے گئے۔ ٹیکس وقت پر ادا نہ کر سکنے کی صورت میں وہ مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بناتے جس کی وجہ سے کشمیری مسلمانوں نے ملک چھوڑنے کی ٹھانی۔ اور جو ایسا نہ کر پائے وہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں آکر محنت مزدوری کرتے اور ڈوگروں کو ٹیکس ادا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی ڈوگرہ حکومت کو دل سے قبول نہ کیا۔ جب انھوں نے کشمیری مسلمانوں کو طاقت کے بل بوتے پر کچلنے کی کوشش کی تو ان کے اندر ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف نفرت مزید شدت اختیار کر گئی۔ اس دوران کشمیر کے ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے حکومت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے علم بغاوت بلند کیا تو حکومتی غنڈوں نے گولیاں مار کر کئی لوگوں کو شہید و زخمی کر دیا لیکن انھوں نے اپنی یہ تحریک جاری رکھی۔ یہ وہ دن تھے جب مسلمانوں کی تحریک آزادی قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں زور پکڑ رہی تھی۔ ادھر ہندوستان میں آباد کشمیری اور خاص طور پر پنجاب میں مقیم اپنے وطن میں ہونے والے ظلم و ستم سے پریشان تھے۔ ان حالات کی وجہ سے علامہ اقبال بھی

بہت پریشان تھے کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق بھی کشمیر سے تھا۔ علامہ اقبال اور معززین کشمیر نے کشمیر کی صورت حال کو برطانیہ کے ایوانوں تک پہنچایا۔ اور کشمیری مسلمانوں کے لیے تعلیمی و ظائف کا انتظام کیا۔ جس کی وجہ سے کشمیریوں میں بیداری کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اور انھیں اپنے حقوق کا احساس ہوا۔ جس کے نتیجے میں ڈوگرہ حکمرانوں کو کشمیریوں کا حکومت میں کردار تسلیم کرنا پڑا۔ اسی صورت حال میں ۱۹۲۹ء میں چند تعلیم یافتہ نوجوان کھڑے ہوئے اور لوگوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی تو ان پر ڈوگرہ فوجیوں نے گولیاں برسائیں۔ اس سانحہ سے ریاست میں رہنے والے ہر فرد غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جس کے نتیجے میں برسوں کی غلامی کے بعد کشمیری ایک مرتبہ پھر بیدار ہوئے۔ اور ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء میں شملہ کے مقام پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس نے آل جموں و کشمیر کانفرنس کی بنیاد رکھی ۔ ۱۹۳۹ء میں شیخ عبداللہ نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو ختم کر کے اس کا نیا نام آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس رکھ دیا۔ درحقیقت اس کا مقصد مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کا خاتمہ تھا۔ کیونکہ ہندو لیڈر شروع ہی سے دو قومی نظریے کے خلاف تھے۔ چودھری غلام عباس نے اس سازش کو زیادہ دیر تک نہ چلنے دیا اور ۱۹۴۱ء میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے احیا کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ کشمیری عوام نے ۱۹۴۶ء میں ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف تحریک شروع کی اور مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر سے نکل جائیں ان کو یہاں پر کسی صورت تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ڈوگرہ حکمرانوں کا کشمیر پر کوئی حق ہے۔ اس تحریک کو کچلنے کے لیے ڈوگرہ حکمرانوں نے نہتے عوام پر بہت زیادہ ظلم کیا لیکن اس کے رد عمل میں ۱۹۴۶ء میں مہاراجہ کے خلاف مسلح بغاوت کا آغاز ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری ریاست کشمیر میں پھیل گئی۔ اس بغاوت کے نتیجے میں میرپور، مظفرہ باد، پونچ، راولا کوٹ اور بھمبر کے علاقوں کے علاوہ گلگت بلتستان اور شمالی علاقہ جات مجاہدین نے ڈوگرہ فوج سے آزاد کروا لیے۔ برِ عظیم کے مسلمانوں کی قربانیوں اور قائدِ اعظم کی قیادت میں آخر کار انگریزوں کو دو قومی نظریہ کے مطابق تقسیم پر راضی ہونا پڑا اور یہ طے پایا کہ مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان اور ہندو اکثریت والے علاقے ہندوستان میں شامل ہونے کے لیے خود مختار ہیں۔ لیکن کشمیر کے حوالے سے مہاراجہ ہری سنگھ جو اس وقت ریاست کا حکمران تھا وہ اس بات پر ہرگز تیار نہیں تھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کشمیری پاکستان میں شامل ہونے کو ترجیح دیں گے کیونکہ جغرافیائی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو کشمیر کا تعلق پاکستان سے ہی بنتا ہے۔ حکومت برطانیہ کی جانب سے اقتدار کی منتقلی کے لیے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی اس سے صرف تین دن پہلے ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے ہندو ڈوگرہ حکمران ہری سنگھ نے بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے یہ درخواست کی کہ اس کے ساتھ ایک معاہدہ

کر لیا جائے۔ جس کے مطابق جموں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ہونے تک بھارت اور پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت وہی رہے گی جو اقتدار سے پہلے تھی اور ریاست کو تمام سابقہ سہولیات بھی حاصل رہیں گی۔ حکومت پاکستان نے اس معاہدہ کو قبول کرنے کا فیصلہ ہری سنگھ تک پہنچایا لیکن بھارت نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔اس موقعہ پر پاکستان نے اس معاہدہ کے حوالے سے اپنا احتجاج بھی ریکارڈ کروایا کہ بھارت کے رویے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کے فوری الحاق کے لیے کوئی خطرناک چال چل رہا ہے لیکن بھارت نے اس خدشے کو بے بنیاد اقرار دیا۔

اس خیال کے پیش نظر کہ کشمیری پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں آخری وائسرائے ہند نے لارڈ مائونٹ بیٹن کے ساتھ مل کر ایک سازش تیار کی تاکہ پاکستان کو کشمیر سے محروم رکھا جاسکے۔اسی سازش کے تحت انھوں نے ۱۷ جون ۱۹۴۷ سے ۲۲ جون ۱۹۴۷ تک کشمیر میں قیام کیا۔اور ہری سنگھ کو یہ یقین دلایا کہ اگر وہ ہندوستان سے الحاق کرلے تو اس کی مکمل حمایت کی جائے گی۔اس تمام تر صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے کہ ہری سنگھ اور انگریز کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ چاہتے ہیں ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو کشمیری مسلمانوں کی نمائندہ جماعت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے اپنے کنونشن میں ایک قرارداد پاس کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ جغرافیائی، اقتصادی، نسلی اور تاریخی اعتبار سے کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہونا چاہیے۔اسی دوران مہاراجہ نے کشمیری مسلمانوں کے خلاف قتل وغارت کی مہم شروع کر دی جو کہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔جب یہ بات قبائلی پٹھانوں کو معلوم ہوئی تو انھوں نے کشمیری مسلمانوں کے حق کے لیے ظالم ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا اور کشمیر میں داخل ہو گئے۔اس سے کشمیری مسلمان جو پہلے ہی ڈوگرہ حکومت کے خلاف بر سر پیکار تھے بہت سا علاقہ آزاد کروا چکے تھے مزید مستحکم ہو گئے۔اور سری نگر کی طرف بڑھنے لگے بھارت نے ہری سنگھ کی مدد کا بہانہ رچا کر کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر دیں۔اور اس طرح کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ قائد اعظم نے حالات کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے رابطہ کیا کہ وہ حالات کی سنگینی کو سمجھے اور کشمیریوں کو ان کی امنگوں کے مطابق فیصلہ کرنے کا موقعہ دیں۔اور ساتھ ہی نہرو کو مذاکرات کی دعوت دی جو اس نے ٹھکرا دی۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ اپنی حکومت سے ہدایت حاصل کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔تاہم اس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ نئی دہلی جا کر اس کا جواب بھجوائے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔اس تمام تر صورت حال کو دیکھتے ہوئے پاکستان نے ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو تجویز پیش کی کہ تمام فوجی دستوں کی واپسی عبوری انتظامیہ کے اختیارات اور رائے شماری کے انعقاد کو اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جائے مگر بھارت نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کا یہ خیال تھا کہ وہ طاقت کے

بل بوتے پر کشمیریوں اور قبائلی مجاہدین پر قابو پالے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ اس طرح آزاد کروائے گئے علاقوں پر مشتمل آزاد حکومت کا اعلان ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کر دیا گیا۔ تاکہ ان علاقوں کا انتظام بہتر طریقے سے چلایا جاسکے اس حکومت کا پہلا سربراہ سردار محمد ابراہیم خان کو بنایا گیا۔ مجاہدین کی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے بھارت نے ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی شق ۳۵ کے تحت پاکستان کے خلاف شکایت کی اور اقوام متحدہ سے یہ درخواست کی کہ پاکستان کو جموں کشمیر میں حملہ آوروں کی امداد سے باز رکھا جائے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا جس میں بھارت کو منہ کی کھانا پڑی۔ سلامتی کونسل نے پہلے مرحلے میں ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء اور ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو دو قراردادیں منظور کیں۔ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے کہا گیا کہ وہ صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے ہر ممکن اقدام کریں جبکہ ''اقوام متحدہ کمشن برائے پاک و ہند کے نام سے ایک کمشن مقرر کیا گیا۔ ۶ فروری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے صدر جنرل مکناٹن نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا۔ کشمیر سے تمام بے قاعدہ فوج نکال دی جائے، ہندوستان و پاکستان مشترکہ طور پر امن کو بحال کریں اور پھر باقاعدہ فوج بھی نکال لی جائے۔ ایک عبوری انتظامیہ قائم کی جائے جو لوگوں کا اعتماد بحال کرے، سلامتی کونسل کے زیر اہتمام رائے شماری کا انعقاد کروایا جائے۔ اس قرارداد پر طویل بحث ہوئی لیکن ہندوستانی نمائندہ نے کونسل کے اراکین کی رائے اپنے حق میں محسوس نہ کرتے ہوئے اسے ۲۰ مارچ تک ملتوی کرنے کا کہا۔ تاکہ واپس بھارت جا کر مزید ہدایات لے سکے۔ اس دوران کونسل کے معزز اراکین نے بھارتی مندوب کو یاد دہانی کروائی کہ یہ بھارت ہی تھا جو فوری کاروائی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ بہر حال حکومت ہند نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے سلامتی کونسل کی بحث ملتوی کروادی ۔ ۱۹۵۱ء تک سلامتی کونسل کے اس حوالے سے کئی اجلاس ہوئے لیکن بھارت نے ہر مرتبہ ہٹ دھرمی دکھائی بالآخر سلامتی کونسل نے ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۷ء اپنے موقف کو دھراتے ہوئے یہ واضح کیا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ شفاف اور غیر جانبدارانہ رائے شماری سے ہوگا اور یکطرفہ طور پر کیا گیا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

ایک طرف بھارت مذاکرات اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کا ڈرامہ رچا رہا تھا تو دوسری طرف اس نے کشمیر پر اپنے قبضے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک غیر منتخب اسمبلی قائم کی ۔ جس کا سربراہ شیخ عبداللہ کو بنایا گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اسے گرفتار کر کے بخشی غلام محمد کو وزیر اعلیٰ بنایا اور اسمبلی سے ہندوستان سے الحاق کی قرارداد منظور کروائی اور یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ کشمیر اب ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے اور اب اس مسئلہ پر رائے شماری کی ضرورت نہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ تمام معاہدے ختم کر دیے اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ ہے جس کو دیکھتے ہوئے کشمیریوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب

اس جنگ کو اپنے بل بوتے پر لڑا جائے۔ یہ مزاحمتی تحریک آج تک اس لیے جاری ہے کیونکہ بھارت اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر پر رائے شماری کروانا نہیں چاہتا اور ناجائز قبضہ کیے ہوئے ہے۔ جس کی وجہ سے آج تک ہزاروں کشمیری (مرد و خواتین، جوان و بوڑھے) اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اس تمام عرصے کے دوران کشمیری مسلمانوں کا ہر طرح سے استحصال کیا جاتا رہا اور حد تو یہ ہے کہ بھارت نے اب کشمیر کی خصوصی حیثیت بھی ختم کرتے ہوئے کشمیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں میں الگ الگ گورنر لگا دیے ہیں۔

اُردو افسانے میں جہاں بے شمار معاشرتی ناانصافیوں کا ذکر ہوتا آیا ہے وہاں مسئلہ کشمیر پر بھی قلم کاروں نے قلم اٹھایا ہے مگر حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ بڑے فنکار جو اس افسانہ نگاری کے افق پر چمک رہے تھے انھوں نے اس موضوع کو بیان کرنے کی اہمیت محسوس ہی نہ کی۔ اس حقیقت کے پس پشت کئی ایک محرکات کارفرما ہیں جس پر پڑھنے والوں کی نظر نہیں جاتی۔ ادب اگر زندگی کا عکاس ہے تو اس میں زندگی کی تمام ناہمواریوں معاشرے میں ہونے والی تمام طرح کی ناانصافیوں کا ذکر آنا چاہیے تھا مگر ایسا کیوں نہ ہوا؟ یہی وہ سوال ہے جو اس مقالے کا موضوع ہے۔ اس مقالے میں اس مسئلہ کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں کو اردو افسانے کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سیاسی نقطہ نظر سے اگر اس مسئلہ کا جائزہ، لیا جائے تو دونوں ممالک کے سیاسی لیڈر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کشمیر پر ان کا حق ہے۔ اور دونوں ممالک میں موجود یہ تنازعہ اسی وجہ سے حل نہیں ہو رہا۔ بین الاقوامی سیاسی طاقتیں بھی اس معاملے میں خاموش دکھائی دیتی ہیں۔ جس کی ایک وجہ کشمیر میں اکثریت کا مسلمان ہونا ہے۔ دوسرا دونوں ممالک میں فوج کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جس کے باعث جنگی سامان اور فوج کی مراعات اور کئی دفاعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ مختص کیا جاتا ہے جو اگر عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے تو حالات موجودہ حالات سے بالکل مختلف ہو جائیں گے۔ مزید یہ کہ وہ عالمی طاقتیں جنھوں نے دانستہ طور پر یہ مسئلہ پیدا کیا تھا وہ کسی بھی صورت میں گوارا نہیں کریں گی کہ یہ مسئلہ کسی بھی طور پر حل ہو سکے۔

اسلام امن پسند مذہب ہے تاہم اسلام ظلم کے خلاف جہاد کی بھی تعلیم دیتا ہے ادبی تحریروں کے ذریعے سے بھی دنیا پر حقیقت آشکار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> بھارت اور پاکستان کے ادیب واقعتاً خوف میں مبتلا ہیں۔ اُن کا عارضہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کشمیر کا تنازعہ، کشمیریوں کے انسانی مصائب سے اُن کی غفلت اور اُن کا فرار نصف صدی پرانا ہے۔ (۱)

یہاں ڈر اور خوف کی وجہ اصل میں تخلیق کاروں کے ذاتی تصورات ہیں دوسرا ہمارے ہاں فروغ پانے والا جذبۂ اظہار ہے۔ ہم آج بھی کسی دوسری طاقت کے فیصلے کے منتظر نظر آتے ہیں۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں مسئلہ کشمیر پر بہت کچھ کہا جاتا ہے مگر وہ صرف اظہار رائے سے آگے کچھ نہیں ہے۔ نامور ادیب اس پر لکھنا تو چاہتے ہیں مگر وہ اخباری رپورٹر نہیں جو جذبات سے کھیل کر اپنا افسانہ فروخت کریں وہ تو حقیقت کی سچی و کھری عکاسی کرنا چاہتے ہیں۔ ادیبوں نے جب بھی سچ کا ساتھ دیا ہے انھیں قید و بند کی سختیاں جھیلنا پڑی ہیں۔ اسی لیے ہمارے نامور ادیب اس مسئلہ سے روح گردانی کرتے رہے اور ان میں موجود خوف نے انھیں اظہار کا موقعہ نہ دیا۔

ادیبوں کا یہ اظہار صرف کشمیر پر مظالم کو ہی نہ دکھاتا بلکہ ان سیاست دانوں کی غلطیوں کا بھی بیان بن جاتا ہے، جس کی پاداش میں ان ادیبوں پر کیچڑ اچھالا جاتا اور انھیں ملک کا غدار گردانا جاتا۔ کچھ ادیب ایسے بھی ہیں جنھوں نے ڈھکے چھپے انداز میں مسئلہ کشمیر پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ منٹو جو اُردو افسانے کے افق کا ایک روشن ستارہ ہے اس نے اس مسئلہ کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے افسانے ''ٹٹوال کا کتا'' میں دونوں افواج کی ذہنی کیفیت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے نظریات پر بھی طنز کیا ہے۔ دونوں ممالک میں بڑھتی ہوئی کشیدگی اور نفرت کیسے ظاہر ہوتی ہے؟ اور دونوں طرف سے ملنے والے اشارے اس بات کو کیسے ظاہر کرتے ہیں؟ کتے کا دونوں محاذوں پر جانا اور پھر دونوں کا ایک دوسرے کو کوڈ میں اپنی نفرت کو پیش کرنا علامتی انداز میں حقیقت کا اظہار ہے۔ اس میں سیاسی قیادت کی بے حسی، کم فہمی اور نالائقی کو علامتی انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ میڈیا تو دن رات کشمیر میں ہونے والے مظالم کی طویل داستانے بتانے میں لگا ہے۔ کشمیروں پر ہونے والا ظلم قابل مذمت ہے مگر جب تک اس مسئلہ کو خطے کے امن کے نقطہ نظر سے حل نہیں کیا جائے گا اس وقت تک یہ جذباتی بیان کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ دوسرا بڑا نام جو اُردو افسانہ نگاری کے حوالے سے خوب جانا جاتا ہے وہ کرشن چندر کا ہے۔ کرشن چندر خود کشمیری خاندان کے تو نہ تھے مگر ان کا بچپن کشمیر میں گزرا۔ اسی وجہ سے ان کا جھکاؤ کشمیر کی طرف تھا۔ مگر انھوں نے جس طرح ترقی پسند تحریک کے لیے افسانے لکھے کشمیر کے معاملے میں ان کا قلم اس طرح کی روانیاں دکھاتا دکھائی نہیں دیتا۔ وہ کشمیر میں ہونے والے مظالم سے پہلو تہی کرتے ہیں مگر کشمیر جنت نظیر پر ان کی آنکھیں آکر ٹھہر جاتی ہیں تو وہ اس کے حسن کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ جہاں ان کا بچپن گزرا ہے۔ ان کے افسانے میں کشمیر کے حالات پر جو اظہار ہے وہ ماضی اور حال کے کشمیر کو واضح کرنے کے لیے ہے ۔ کشمیر کے حالات کی تصویر کشی کرتے ہوئے وہ موجودہ حالات کا ذمہ دار مجاہدین کو گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے

ان کا افسانہ ''کشمیر کو سلام'' قابل ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف تو کرشن چندر نے کشمیر سے اپنی دوری کا اظہار کیا ہے وہیں انھوں نے ایک نظر میں وہاں کے حالات کو بھی بیان کر دیا ہے۔ صورت حال ملاحظہ ہو:

> مجھے کشمیر گئے ہوئے مدتیں گزر گئیں اس عرصے میں کشمیر بہت بدل چکا ہے کیونکہ یہ جنت نظیر ملک انسانی جنت ہے اور انسانوں کی جنت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ میں نے اس زمانے میں بھی اس جنت میں دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے دیکھے تھے۔ نکہت و یاس کے مرقعے ،افلاس کے بہیمانہ نقوش، حسن فردوس کی خرید و فروخت۔ میں جانتا تھا یہ دہکتے ہوئے انگارے ایک روز بھڑک کر آتش فشاں جوالا مکھی بن جائیں گے اور یہ لاوا دور دور تک کشمیر کی حسین و جمیل وادیوں میں پھیل جائے گا۔(۲)

افسانے کے الفاظ کشمیر میں موجود حالات کی عکاسی کرتے ہیں کہ کس طرح پہلی بار کے مقابلے میں جب واحد متکلم دوسری مرتبہ اس وادی میں گیا تو حالات کس قدر دگرگوں ہو چکے تھے۔ ان حالات کا ذمہ دار کشمیر کے مجاہدین کو ٹھہرایا گیا ہے جنھیں کرشن چندر اپنے مخصوص سیاسی تصورات میں دہشت گرد تصور کرتے ہیں ۔افسانے میں کشمیر میں موجود ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم سے پہلو تہی کی گئی ہے۔

کشمیر کے حالات کے بیان میں کرشن چندر کی کتاب کشمیر کی کہانیاں بھی اہمیت کی حامل ہے ۔اس کتاب کو آلہ آباد پبلشنگ ہاؤس، آلہ آباد نے شائع کیا۔ ۱۹۴۹ء میں چھپنے والے اس مجموعہ کے افسانوں میں کشمیر کے حالات کو بیان کرتے ہوئے اس کی تمام تر ذمہ داری مجاہدین پر ڈال دی گئی ہے کہ ان کی موجودہ کارروائیوں کی وجہ سے کشمیر جو جنت نظیر تھا اب جہنم کا منظر پیش کرنے لگا ہے۔ اس سے بڑھ کر کشمیر کے ساتھ سماجی و سیاسی ناانصافی اور کیا ہو گی۔

قدرت اللہ شہاب نے اپنے افسانوں میں مسئلہ کشمیر کو ڈھکے چھپے انداز میں پیش کیا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کے حوالے سے اقوام متحدہ کی حکمت عملی پر شہاب نے بڑے نپے تلے الفاظ میں طنز کیا ہے۔ ان کا افسانہ ''ایک ڈسپیچ'' میں نیویارک کے ایک نامہ نگار کا احوال پیش کیا گیا ہے جس کا نام رابرٹ لانگ ہے۔ یہ شخص ہندوستان میں آتا ہے اور بمبئی کے ایک مکان میں جاتا ہے جہاں اس کے دل بہلانے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ جب یہ نامہ نگار وہاں جاتا ہے تو اس کے کمرے میں ایک کشمیری لڑکی کو رکھا گیا ہے تاکہ رابرٹ اپنے من کی پیاس کو بجھا سکے۔ دراصل قدرت اللہ شہاب ڈھکے چھپے انداز میں یہ بات واضح کر گئے ہیں کہ ہندوستان میں باہر سے آنے والے

نامہ نگاروں کو اس طرح کی عیاشی کروا کر ان کی زبانوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور نامہ نگار بھی بس اپنے مطلب کی بات ہی تو سننے آتے ہیں۔ اس حوالے سے افسانہ کا وہ حصہ ملاحظہ ہو جہاں نامہ نگار رابرٹ نجمہ نامی اس کشمیری لڑکی سے ملتا ہے:

> کشمیر سے آئی ہے۔ موٹی عورت نے طلسم توڑتے ہوئے کہا۔ کشمیر کا نام تو تم نے سنا ہو گا جوان؟ تمہاری یو۔این۔او، وہاں کا جھگڑا چکا رہی ہے بڑی اچھی جگہ ہے۔ سیب، انگور، ناشپاتیاں اور۔۔۔
>
> رابرٹ کے دل کے ساتھ اس کے صحافتی دماغ نے بھی ایک کروٹ لی۔ اس نے سوچا کہ شاید آج کی رات اس پر مسئلہ کشمیر کے کچھ راز بھی آشکار ہوں۔ (۳)

قدرت اللہ شہاب کے الفاظ جو رابرٹ کی سوچ کے غماز ہیں کہ آج رات مسئلہ کشمیر کے کچھ راز بھی آشکار ہو جائیں گے۔ ان الفاظ نے بین الاقوامی سوچ کے زاویوں کو بھی پیش کر دیا ہے۔ بین الاقوامی اخبارات کے نمائندے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے سے زیادہ اپنے من کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔ انھیں اس معاملے میں ایک اچھے ڈسپیچ کی ضرورت ہوتی ہے جو وہ کشمیری لڑکیوں کے ساتھ رات گزار کر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح مسئلہ کشمیر کی گتھیاں سلجھانا چاہتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے دراصل اپنے اس افسانے کے ذریعے بین الاقوامی میڈیا کی کشمیر کے حوالے سے رواں رکھی جانے والی پیشہ ورانہ بددیانتی اور ناانصافیوں کو آشکار کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ رابرٹ لانگ مظلوم کشمیریوں کی صحافتی دیانتداری کو مد نظر رکھتے ہوئے آواز بنتا اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو طشت از بام کرتا اس نے رشوت میں قبول کی ہوئی عیاشی کے عوض مخالف بیانیے کو ترویج دی جو کشمیریوں کے ساتھ ناانصافی پر مبنی ہے۔ کشمیر میں تلاشی کے نام پر مسلمان خاندانوں کو جس طرح اذیت دی جاتی ہے اس کا اظہار قدرت اللہ شہاب اپنے ایک افسانے میں پیش کرتے ہیں جہاں ایک مسلمان عورت کی تلاشی لی جا رہی ہے، ملاحظہ ہو:

> ایک جوان سال افسر جس نے کھلے گلے کی زرد قمیض اور سفید پتلون پہنی ہوئی ہے۔ ایک برقعہ پوش عورت کے برقعے کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کی کمر اور سینے کی تلاشی لے رہا ہے۔ ایک دبلا پتلا مریل سا آدمی جو اس کا خاوند یا بھائی ہے۔ پاس کھڑا غصے سے بل کھا کھا کر احتجاج کر رہا ہے لیکن وردی پوش سپاہی اپنے ہاتھ کا موٹا سا ڈنڈا دکھا کر اُسے خاموش رہنے

کی تلقین کرتا ہے۔۔۔ برقعے کے اندر اچھی طرح ٹٹول کر کسٹم ہاؤس کا جواں سال افسر ناک بھوں چڑھاتا ہے اور اپنے پاس کھڑے ہوئے وردی پوش سپاہی کو حکم دیتا ہے۔ رام لال جانے دو وہاں پلپلے آموں کے سوا کچھ نہیں۔(۴)

یہاں موجود تمام اشارے بتا رہے ہیں کہ کشمیر میں موجود مسلمانوں کے لیے زندگی کس قدر دشوار کر دی گئی ہے۔ تلاشی کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے کس طرح معصوم کشمیریوں کی زندگیاں دوبھر ہو چکی ہیں۔ قدرت اللہ شہاب کا یہ افسانہ ایک خاموش احتجاج ہے۔ جو اہل اسلام کے سوئے ہوئے رہنماؤں کی توجہ کشمیر کی مظلوم عوام کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کی طرف مبذول کروا رہا ہے۔ ریاستی ادارے کسی بھی قوم کے افراد کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ان کی تحقیر کرتے ہیں اور ان کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں۔ یہی کچھ مذکورہ افسانے میں ایک کشمیری عورت کے ساتھ پولیس کا ایک سپاہی کر رہا ہے۔ یہ ناانصافی آج تک کشمیریوں کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ آج بھی کشمیری عورتوں کے ساتھ ہندوستانی فوجی، پولیس ہر طرح کی زیادتی کی مرتکب ہوتی ہے اور جسے وہ اپنا حق سمجھتے ہیں اور یہ ایک ایسی ناانصافی ہے جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

قدرت اللہ شہاب نے کشمیر سے متعلق متعدد افسانے لکھے ہیں اور کشمیر میں ہونے والی ناانصافیوں کو پیش کیا ہے جو کشمیری مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لیے برتی جا رہی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کے گھروں سے جس طرح جوان لڑکیوں کو اٹھا لیا جاتا ہے اور جو ظلم وہاں کے نوجوانوں پر ہوتا ہے ان نہتے نوجوانوں پر گولیوں کی بارش کی جاتی ہے۔ نسل کشی کی کوششیں بھی کشمیر میں جاری ہیں۔ آپؐ نے امت مسلم کو ایک جسد واحد کی مانند قرار دیا تھا مگر ہم تو ایسے بے حس ہیں کہ ہمارے اعضاء کاٹے جا رہے ہیں مگر ہمیں فکر نہیں۔ قدرت اللہ شہاب کا افسانہ ''پھوڑے والی ٹانگ'' میں جمیلہ نامی لڑکی کے ساتھ انگریز رابرٹ کی زبردستی اس بات کا اعلان ہے کہ یہ انگریز لوگ مسئلہ کشمیر کو اپنے فائدے کے لیے جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر وہاں کی عورتوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ یہ کشمیر کی خوبصورت لڑکیاں ان کو اس لیے پیش کی جاتی ہیں تاکہ وہ کشمیر میں ہونے والے مظالم پر آنکھیں بند کر لیں اور سب اچھا ہے کی رپورٹ دیں۔ یہاں علامتی انداز میں بوڑھے کی پھوڑے والی ٹانگ جو اسے وار کرنے سے روکتی ہے دراصل یہ وہاں موجود ہندوستانی فوج ہے۔ جس نے کشمیر کو ایک پھوڑا بنا دیا ہے اور یہ پھوڑا کشمیریوں کو حرکت نہیں کرنے دیتا۔ اس پھوڑے کے درد سے دنیا بھر کے مسلمان کشمیر میں ہونے والے مظالم کو دیکھ تو رہے ہیں مگر سوائے ان ہی ظالموں کے سامنے التجا کرنے کے یہ اور کچھ بھی

نہیں کر سکتے۔ ستر سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا مگر آج بھی بار بار معاملہ یو۔این۔او کے سامنے لے جایا جاتا ہے لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔

اردو ادب کے رومانوی افسانہ نگار اشفاق احمد نے اپنے افسانے ''شازیہ کی رخصتی''میں جہاں ایک طرف ترقی پسند ادیبوں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے وہیں ہماری بے بسی اور ادیبوں کی بے حسی کو بھی موضوع بنایا ہے ۔اس افسانے میں کشمیریوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی طرف بھی واضح اشارے دیے گئے ہیں۔ شازیہ جس کا ریپ دو سپاہیوں اور ایک سویلین نے مل کر کیا ہے وہ امن کی بھیک مانگتی ہوئی ان بڑے بڑے ادیبوں اور دانشوروں کے پاس جا پہنچتی ہے مگر اس کی سنوائی نہیں ہوتی۔ وہ اشفاق احمد کے ہاں آتی ہے جو اسے دوسرے ادیبوں کے دروازے دکھاتا ہے جن سے وہ پہلے ہی خالی لوٹ چکی ہے کیونکہ ان ادیبوں کو اس کی ان باتوں میں کوئی شہرت کا پہلو نظر نہیں آتا۔ آخر میں وہ اشفاق احمد سے مخاطب ہوتی ہے اور یہ آخر یحصہ ان نامور ادیبوں کے مسئلہ کشمیر پر قلم نہ اٹھانے کا ایک حقیقی جواز ہے:

> شازیہ نے کہا۔آپ تو بہت ہی دہشت زدہ انسان ہیں انکل کیا سوائے پاپولر موضوعات کے اور داد دلانے والے عنوانات کے اور کسی موضوع پر قلم ہی نہیں اٹھا سکتے۔ دراصل آپ کو نا مقبول ہو جانے کے خوف نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور آپ کوئی اصل، اور ریجنل، اور طبع زاد بات کر ہی نہیں سکتے۔۔۔آپ کو اس بات کا خوف تو نہیں انکل کہ اگر آپ نے مظلوم کشمیریوں یا ستم رسیدہ افغانیوں کے حق میں کچھ لکھا تو لوگ آپ کو مذہب پسند سمجھیں گے ؟آپ کو تنگ نظر، کوہ تاہ بین، قدامت پسند اور بنیاد پرست کہہ کر روشن خیال دائروں میں آپ کا داخلہ بند کر دیں گے۔(۵)

یہ وہ خوف ہے جو اشفاق احمد اور ان جیسے بڑے ادیبوں کو لکھنے سے روکے ہوئے ہے۔آج کا ادیب اس خوف میں ہے کہ حقیقت کا بیان اس سے اس کی شہرت نہ چھین لے۔ اسی لیے وہ ان موضوعات سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایسے موضوعات پر قلم اٹھانے والوں کو مذہب پسند ہونے کا طعنہ بھی دیا جاتا ہے جس کا اشارہ شازیہ کی گفتگو میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا افسانوں کے ذریعے سے کشمیر کی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے اور عام لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز کشمیر میں بڑھتی ہوئی جارحیت اس بات کا ثبوت

ہے کہ ہمارا پڑوسی ملک آج بھی اسی نفرت کا شکار ہے جس کے تحت اس نے کشمیر کے مسلماں کو ان کے جائز حق سے محرم کر دیا تھا۔ اس مسئلہ کو ملکی و بین الاقوامی سطح پر بہتر طور پر اٹھانے کی ضرورت ہے تاکہ ان مظلوم کشمیریوں کو ان کا حق مل سکے جو ایک طویل عرصہ سے اپنے حق کے لیے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

ان بڑے بڑے ناموں کے علاوہ جتنے بھی بڑے نام اردو افسانے کے افق پر ظاہر ہوئے ہیں انھوں نے مسئلہ کشمیر کو اہمیت نہ دی۔ ہمیں پہلے ذہنی آزادی کی ضرورت ہے اور یہ آزادی اس وقت ہی نصیب ہو گئی جب ہم اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو جائیں گے۔

جب بڑے افسانہ نگاروں میں مزید نام نہ دکھائی دیں اور ان کی خاموشی اس مسئلے کی سنگینی کو پیش کرنے میں ایک عام سطح کے انسان کے لیے دشوار ہو جائے تو وہ بلندی سے پستی کی طرف رخ کرتا ہے اور نیچے کی طرف دیکھتا ہے کہ کیا نیچے بھی وہی صورت ہے جو بلندی پر موجود ہے۔ مسئلہ کشمیر کو افسانے میں پیش کرنے کے لیے ان افسانوں میں موجود دلائل کافی نہیں ہیں کیونکہ یہ افسانے چند ایک معاملات کو بیان کرتے ہیں اگرچہ قدرت اللہ شہاب نے اپنی بھرپور کوشش سے بہت کچھ بتانا چاہا ہے مگر کشمیر میں موجود افسانہ نگار جو اپنا نام ان بڑے افسانہ نگاروں کے برابر تو نہیں بنا سکے مگر انھوں نے خود اس کرب سے گزر کر اس کی سنگینی کو دیکھا اور محسوس کیا ہے ان کے بیانات کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے حوالے سے کشمیر کے مسئلہ پر اپنی رائے کو مزید تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ان تمام واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں جو ظلم، جبر، زیادتی اور ناانصافیوں کے حوالے سے کشمیر میں پروان چڑھ رہے ہیں۔

کشمیر میں موجود ڈوگرہ راج کو جب مقامی کشمیریوں کی جارحیت کی وجہ سے اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں اس سے ان کا اقتدار ہی نہ چھن جائے تو اس وقت وہاں کے راجہ ہری سنگھ نے اس مسئلہ کو مکاری سے حل کرنے کی ٹھانی۔ اس نے کشمیر میں موجود نمبرداروں کو خط لکھے اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ تمام مسلمانوں کو جمع کریں تاکہ ان کو پاکستان بھیجا جا سکے۔ اگر حکم نہ مانا گیا تو ان کے خلاف کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔ ایسے وقت میں وہاں کے نمبرداروں نے ویسا ہی کیا جیسا انھیں راجہ کی طرف سے حکم ملا تھا اور پھر اس راجہ نے ان نہتے مسلمانوں کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ ایک جنگل کی طرف روانہ کر دیا جہاں پہنچ کر ان نوجوانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور ان پر مہاراجہ کے حکم کے مطابق فائر کھول دیا گیا جس سے ایک بڑی تعداد میں یہ کشمیری مسلمان پاکستان تو نہ جا سکے البتہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اس تمام تر واقعہ کو علامتی انداز میں احمد شمیم نے اپنے افسانے ''الاؤ'' میں

پیش کیا ہے۔ وہاں موجود الاؤ کا مسلمانوں کو بھسم کرنے کے لیے جلایا جانا اور افسانے میں موجود بہت سے اشارے اس وقت کے راجہ کی چال کے گواہ ہیں۔ راجہ کی اس حرکت سے آزاد کشمیر جو اس وقت اپنا حق حاصل کر چکا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں بدلے کی آگ کو بڑھکانے کا باعث بنا۔ جس کے باعث آزاد کشمیر کے بہت سے نوجوان جموں و کشمیر کی وادی میں داخل ہوئے تاکہ اس خون ریز واقعہ کا انتقام لے سکیں مگر راجہ نے اسی بات کو جواز بنا کر ہندوستانی حکومت سے مدد طلب کر لی۔ گویا ایسی صورت تھی:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بد نام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس لیے انگریز سرکار نے اسی وجہ کو مہاراجہ کے خلاف اس انداز میں استعمال کیا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کو تیار ہو گیا۔ اس طرح لاکھوں کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ ایک راجہ کے حکم پر ہو گیا۔ جہاں ایک طرف اس راجہ نے نہتے کشمیریوں کو صرف مسلمان ہونے پاکستان جانے کی خواہش رکھنے پر ملک عدم میں پہنچا دیا وہیں اس راجہ نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کشمیر کو ہندوستان کا حصہ بنا کر وہاں کے مسلمانوں کو جیتے جی مار ڈالا اور آج تک وہاں کے مسلمان راجہ کی جلائی ہوئی آگ میں جل رہے ہیں۔ کشمیر میں ہونے والے بڑے بڑے مظالم تو عالمی دنیا کو دکھائی نہیں دیتے مگر اگر کہیں مسلم ممالک کچھ کریں تو فوراً امن کی دُھائی دی جانے لگتی ہے اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے۔ گویا مسلمانوں کے لیے ہر مقام پر زاویے ہی بدل دیے جاتے ہیں۔

کشمیر کے اس اہم مسئلہ پر لکھے جانے والے افسانوں کا ایک انتخاب غیرت کشمیر کے نام سے سامنے آیا جس کو محمد سعید اسعد نے ترتیب دیا۔ اس مجموعہ میں موجود افسانے بڑے افسانہ نگاروں کے تو نہ تھے مگر یہ ایسے ہی انگارے تھے جیسے افسانوی مجموعہ انگارے میں موجود تھے۔ ان دہکتے ہوئے انگاروں نے کشمیر کی جلتی ہوئی دھرتی کا دکھ پیش کیا ہے۔ اس مجموعہ میں سب سے اہم افسانہ نجمہ محمود کا افسانہ غیرت کشمیر ہے جس میں ایک کشمیری لڑکی کی عزت لٹنے اور اس کی موت کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے اور اس کے باپ کی علامتی انداز میں اس واقعہ سے متعلق گفتگو بہت سے رموز کو کھولنے کا کام کرتی ہے۔

کشمیر میں بہت سے ایسے نوجوان موجود ہیں جو کشمیر کی آزادی کے خواہاں رہے اور انھوں نے اس کشمیر کی خاطر اپنی جان دے دی۔ بہت سے نوجوانوں کو حقیقت کے بیان میں پکڑ لیا گیا۔ بہت سے آزادئ کشمیر کے محاذ

میں شریک ہوئے اور پھر کبھی اپنے گھروں کو لوٹ کر واپس نہ آئے۔ ایسے ہی ایک نوجوان اور اس سے محبت کرنے والی اس کی منگیتر کی کہانی نجمہ محمود نے اپنے افسانے ''چنار'' میں پیش کی ہے۔

''غیرت کشمیر'' کے اس مجموعہ میں ایک کہانی ''وطن کی یاد'' ہے جو کشمیریوں کی وطن سے محبت کو بیان کرتی ہے۔ اس کہانی میں موجود شخص اپنے وطن کی خاطر دونوں اطراف سے چلنے والی گولیوں کی نظر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے وطن کی یاد کو اپنے سینے میں لیے جان دے دیتا ہے۔ فوزیہ نقوی کے افسانے ''وطن کی یاد'' میں موجود یہ منظر ملاحظہ ہو:

> سر سبز لہلہاتے اور شفاف چشمے ۔۔۔اسے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔۔وہ مسکرا رہا تھا۔۔وہ اپنی ماں اور جانی سے ملے گا ۔۔۔اب گولیاں چلنا شروع ہو گئیں۔۔سپاہی مورچوں میں چلے گئے۔ مگر وہ سنگ میل بنا سوچ رہا تھا۔(۷)

یہ نوجوان ان گولیوں کی آوازوں سے نہ خوف زدہ ہوا اور نہ ہی اس کو موت کا خوف لاحق تھا۔ اتنے میں چلنے والی ان گولیوں نے اس کا سینہ چھنی کر دیا۔ مگر وہ وطن جس کی یاد اس کو یہاں تک لائی تھی کیسے ممکن تھا کہ وہ اس وطن کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بھی اس کی طرف نہ بڑھے اور ان گولیوں کے ڈر سے وطن عزیز کا نظارہ نہ کرے۔ اس نے اس وطن کے دیدار میں جان دیدی اسی وطن کی خاطر جو اس کی یادوں کا مرکز و محور تھا۔

کہکشاں ملک کے افسانے ''دورانِ تیرگی'' میں مسئلہ کشمیر کے باعث کئی جانوں کے ضیاع کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح لوگوں کی نسلوں کی نسلیں اس مسئلہ کی نظر ہوتی جا رہی ہیں۔ مردوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور عورتوں کو باقی رکھا جا رہا ہے گویا کہکشاں ملک نے یہاں نسل کشی کے واقعہ کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔

بھارتی فوج میں پاکستان اور اس کے باشندوں سے متعلق خوب نفرت پیدا کی جاتی ہے تاکہ یہ بے رحمی سے انسانیت کا قتل کر سکیں اور جب کشمیر میں خون ریزی کی جاتی ہے تو بہت سے نوجوانوں کو اس وجہ سے گرفتار کر لیا جاتا ہے کہ ان پر شک ہے کہ وہ پاکستانی ہیں اور اس شک ہی کی بنیاد پر ان کی جان لے لی جاتی ہے اسی موضوع پر تحریر کردہ ایک افسانہ ''درد کے روپ'' ہے جس کو خالد نظامی نے خوب مہارت سے نبھایا ہے۔ یہ افسانہ رحیم ڈار کے مرکزی کردار کے گرد گھومتا ہے۔ جو شاعر ہے اور اس وطن عزیز سے محبت رکھتا ہے اور اس کے لیے گیت لکھتا ہے مگر بھارتی فوجی اسے اس شک کی بنیاد پر قتل کر دیتے ہیں کہ اس کا تعلق پاکستان سے ہے اور وہ پاکستان کے گیت

گاتا ہے۔ گویا پاکستان کی حمایت یا کشمیریوں کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی خواہش کا اظہار بھی ہندوستان اور اس کی فوجی قیادت کو قبول نہیں وہ کسی بھی صورت میں کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس تمام معاملے میں جہاں تک ان کی مسلمانوں سے نفرت اور کشمیر جیسی سر سبز وادی پر قبضہ کرنے کی خواہش ہے وہیں انھیں اس بات کا بھی بخوبی علم ہے کہ کشمیر ہی سے تمام دریا نکلتے ہیں اگر کشمیر پاکستان سے الحاق کر بیٹھا تو ہندوستان کے لیے وہ ایک بڑا خطرہ بن جائے گا جس طرح ہندوستان بارشوں کی کثرت کے دور میں پاکستان کے دریاؤں میں پانی چھوڑ دیتا ہے جس سے یہاں کی کثیر فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح اگر پانی کی کمی کے دور میں کشمیر سے آنے والے دریاؤں پر بند باندھ کر پانی کو بھارت میں جانے سے روک دیا گیا تو بھارت کو بہت سا نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی سوچ کے پیش نظر بھارت ہر صورت کشمیر پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اسے کسی بھی صورت میں کشمیر کا الحاق پاکستان سے قبول نہیں۔ نیز یہاں پیدا ہونے والے پھل اور بہت سے دوسرے خشک میوہ جات جو بھارت کو مفت میں میسر ہیں وہ بھی اس کے ہاتھ سے اس نوآبادیاتی نظام کے جانے سے چلے جائیں گے۔ اس لیے وہ اپنی کثیر فوج کے ساتھ وہاں پر موجود مسلمانوں کو مٹانے کی بھرپور کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور تحریک آزادئ کشمیر کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے مگر جتنا وہ اس تحریک کو دباتا ہے اتنا ہی یہ تحریک اور بھی زور و شور سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔

غیرت کشمیر مجموعہ میں جن افسانہ نگاروں کے افسانے چھپ کر سامنے آئے وہ سب کشمیر کے باشندے تھے۔ چاہے ان کا تعلق آزاد کشمیر سے ہو مگر انھوں نے ایک وقت میں متحدہ کشمیر کے دوران میں اس صورت حال کو برداشت کیا تھا اور پھر آزاد کشمیر سے ہی بہت سے لوگ جموں کشمیر کی آزادی کی خاطر گئے جنھوں نے اپنی جانیں آزادئ کشمیر کی نذر کر دیں اور آج تک لوٹ کر نہ آئے۔ اسی طرح بہت سے کشمیری جموں کشمیر سے ہجرت کر کے آزاد کشمیر آئے تھے اور انھیں اپنے گھر اور وطن کی یاد اکثر ستایا کرتی تھی اسی طرح کا اظہار ہمیں ریاض احمد کے افسانے ''پھولوں کی وادی'' میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ جہاں روفی نامی کردار کو یہ دلاسا دیا جاتا رہا تھا کہ جب کشمیر آزاد ہو جائے گا تو ہم اپنے گھر واپس چلے جائیں گے اور اب اس کی جوانی کے ساتھ ساتھ اس میں وطن واپسی کا تصور بھی مضبوط ہوتا گیا مگر نہ کشمیر آزاد ہوا اور نہ ہی روفی کو واپس اپنے گھر اور وطن جانے کا موقعہ میسر آیا اور وہ ان یادوں کے سہارے ہی اپنی ساری زندگی گزار گیا۔

کشمیر کا مسئلہ جس قدر پرانا ہے اسی قدر سنگین بھی ہے۔ کیونکہ اس مسئلے کے حل کی صورت میں جہاں ایک طرف جنوبی ایشیا میں امن قائم ہونے کا اندیشہ ہے وہیں بیرونی طاقتوں کو اس بات کا غم بھی ستانے لگتا

ہے کہ پھر ان کے اسلحے کا خریدار کون ہو گا۔ وہی اسلحہ جس کے استعمال کی خاطر وہ فلسطین، عراق، افغانستان جیسے ممالک پر حملوں کا جواز تلاش کر کے وہاں اپنی نوآبادیات کو قائم کئے ہوئے ہیں۔

۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کو کشمیر میں جو زلزلہ آیا اس نے ایک مرتبہ پاکستان کو بھی ہلا کر رکھ دیا یہ زلزلہ آزاد کشمیر کے علاقے باغ کا ہے جہاں بہت سی عمارتیں زمیں بوس ہو گئیں۔ اور اس پر پاکستان میں افسانے بھی لکھے گئے اور تقریباً سبھی بڑے افسانہ نگاروں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اس موضوع پر بہت اعلیٰ افسانے لکھے گئے۔ جیسے محمد حمید شاہد کا افسانہ ''ملبہ سانس لیتا ہے''، منشاء یاد کا افسانہ ''آگے خاموشی ہے''، اور ایسے بہت سے افسانے ہیں جو فوری طور پر ظاہر ہونے والی اس صورت حال پر تحریر کیے گئے اور اس کا ردعمل بھی خوب دیکھنے میں آیا۔ دنیا بھر سے پاکستان میں اور پاکستان کے مختلف علاقوں سے کشمیر کے لیے راشن اور ضروری اشیاء جن میں کمبل، دریاں، قالینیں اور دوسرا سامان شامل ہے آزاد کشمیر کے ان متاثرین تک پہنچنے۔ اگرچہ اس سامان کے بے شمار ٹرکوں کے ساتھ کیا ہوا اور کس کس طرح کی دشواریاں پیش آئیں وہ ایک دوسرا مسئلہ ہے مگر پھر بھی اس نازک موقعہ پر پوری قوم ایک ہو چکی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے حالات میں بھی مفاد پرست اپنے ذاتی فائدہ کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اس وقت بھی کچھ مقامات پر ایسی صورت حال پیش آئی مگر مجموعی طور پر پوری قوم متحد ہو چکی تھی۔ کچھ اسی طرح کے اتحاد کی ضرورت ہمیں مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے بھی درکار ہے جس کا اس قوم میں فقدان پایا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں رشید امجد جو اردو ادب کے مشہور افسانہ نگاروں میں شمار کیے جاتے تھے ان کا تعلق بھی مقبوضہ کشمیر سے تھا اور ان کے والد پاکستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان کا ایک افسانہ ''ایک کہانی اپنے لیے'' مسئلہ کشمیر کے تناظر میں لکھا گیا افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار نے اپنی ذات کے کرب کو پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اپنی یاد کے اس کردار کا ذکر کیا ہے جس نے کئی ایک روپ بدلے ہیں مگر ہر مرتبہ وہ اس کے ساتھ ہی موجود رہی ہے۔ اسی کردار کے بیان میں واحد متکلم اپنی ہجرت کے واقعات کو بھی بیان کر گیا ہے۔ دراصل مقبوضہ جموں و کشمیر سے جن خاندانوں نے اپنے رشتے داروں کو چھوڑ کر پاکستان کا رخ کیا تھا اس میں واحد متکلم کا کردار بھی موجود تھا۔ وہ سری نگر سے پاکستان کے شہر راولپنڈی آنے سے پہلے سرنگر میں موجود صورت حال کو بیان کرتا ہے:

> آخری دن جب سب ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے اس نے مجھے کہا۔۔۔ ''معلوم نہیں زندگی کی شاہراہ پر کبھی دوبارہ مل پائیں یا نہیں، لیکن میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ یہ بھیگی آنکھیں ہی تو میرا سرمایہ ہے۔ میں اس سرمائے کو برسوں سے سنبھالے پھر رہا ہوں، اس لمحے سے جب میری عمر سات سال تھی۔

ہم صبح راولپنڈی جا رہے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ملاقات کے لیے آئی تھی۔ اس کے ابو میرے والد کو اب بھی سمجھا رہے تھے کہ سری نگر چھوڑ کر نہ جائو۔

میرے والد بڑے یقین سے کہہ رہے تھے، ''بس چند دنوں کے لیے جا رہا ہوں۔ میری بہن امرتسر سے وہاں آگئی ہیں، ان سے ملنا ضروری ہے۔(۸)

ان کے سری نگر سے روالپنڈی ہجرت کر کے آنے کے بعد دونوں ممالک میں باڈر لائین لگا دی گئی اور ادھر والے ادھر ہی رہے اور ادھر والے ادھر ہی رہ گئے۔ یہاں تقسیم کے وقت بھارتی ہٹ دھرمی کو دکھایا گیا کہ کہ انھوں نے بارڈر لائین لگاتے وقت بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی جس کے تحت بہت سے کشمیری اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور مستقل طور پر پاکستان رہنے پر مجبور ہو گئے۔

کشمیر کی صورت حال کے بیان میں دیپک بدکی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دیپک بدکی نے اپنے افسانوں میں کشمیر کی صورت حال کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا یہ علامتی انداز علامت نگاری کے دور میں خوب مشہور ہوا۔ مگر ان کے افسانے انھیں صفحہ اوّل کے افسانہ نگاروں کی صف میں نہ لا سکے مگر کشمیر کی صورت حال کے بیان میں ان کے علامتی انداز نے ان کا بڑا ساتھ دیا۔ ان کا افسانہ ''نہتے مکان کا دیپ'' بھی ایک علامتی افسانہ ہے جس میں ایک مکان کو ایک پنڈت تالا لگا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ چلا جاتا ہے پھر اس مکان کا تالا توڑ کر ایک چور اس میں زیورات وغیرہ تلاش کرتا ہے مگر اسے کچھ نہیں ملتا۔ اس کے جانے کے بعد سیکورٹی فورسز اس مکان کو گولیوں سے چھلنی کر کے ہر چیز الٹ پلٹ کر دیتی ہیں اور وہاں کے لوگ اس گھر میں موجود ہر چیز کو لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں۔ بعد میں اس گھر کی آگ کو صرف اس غرض سے بجھایا جاتا ہے کہ کہیں ہمارے گھروں کو آگ نہ لگ جائے۔ اور یہ آگ بجھانے والے جو کچھ بچ چکا ہوتا ہے وہ بھی لے کر چلے جاتے ہیں۔ دراصل اس خالی مکان کے روپ میں دیپک بدکی نے کشمیر کو دکھایا ہے۔ جس میں موجود جنت نظیر کے نظارے اور رونقین اور تمام طرح کی خوبصورتیوں کو بھارتی فوج نوچ رہی ہے مگر اس کی ہوس ہے کہ بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ یہاں تک کہ کشمیر کا حسن اب خالی ہو چکا ہے۔ یہ وادی خون کی وادی بن چکی ہے مگر اب بھی ہوس کے یہ پجاری اپنی ہوس کو کہاں چھوڑ رہے

ہیں۔ یہ آج بھی اس کشمیر کو خون میں نہلا کر وہی سب کچھ کر رہے ہیں جو اس خالی مکان کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں نے کیا۔ سلطانہ مہران کے افسانے پر رائے دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

> کشمیر کا باسی افسانہ نگار دیپک بدکی تو بس ایک افسانہ نگار ہے جو نہ ہندو ہے نہ مسلمان اور نہ ہی عیسائی اس کا دل مظلوم کے دکھ پر تڑپتا ہے۔ انسانیت پر ظلم و بربریت دیکھ کر اس کی آنکھیں خون کے آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ (۹)

سلطانہ مہر کا بیان اس کشمیر کے باسی کی افسانہ نگاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دیپک بدکی نے کشمیر پر کیے جانے والے مظالم اور انسانیت کے قتل کو الفاظ میں علامتی انداز میں ایسے پیش کیا ہے کہ وہ تمام باتیں علامت کے انداز میں بڑی مہارت سے بیان کر جاتے ہیں۔

نور شاہ نے اپنے افسانہ ''اس کمرے کی کھڑکی سے'' میں کشمیر کی تقدیر کا جو فیصلہ بھارتی فوج نے کیا ہے اس کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔ دوسری طرف کشمیر کے لوگوں کا وہ دلاسہ دکھایا ہے جو مسلم ممالک انھیں دے رہے ہیں۔ یہ دلاسہ خام خیالی کے سوا کچھ بھی تو نہیں ہے۔ افسانے میں دو قیدی دکھائے گئے ہیں جو علاج کے لیے ہسپتال منتقل کیے جاتے ہیں ان کو ان کے ناموں کی بجائے نمبروں سے پکارا جاتا ہے وہی نمبر جو جیل میں انھیں دیے گئے تھے اور ان کے کپڑوں پر کندہ بھی تھے۔ دونوں مریضوں میں سے ایک کو کھڑکی کے قریب کا بیڈ ملتا ہے جہاں اس کا دوسرا ساتھی اس سے سوال کرتا ہے کہ کھڑکی سے باہر کشمیر کے مناظر کیسے ہیں۔ جس پر وہ کہتا ہے کہ باہر چنار کے درخت ہرے پتوں سے لدے ہوئے ہیں۔ اور ہر طرف پھول کھلے ہیں مگر جب وہ مریض مر جاتا ہے اور اس کی جگہ پر دوسرے مریض کو بڑی مشکل سے جگہ ملتی ہے تو وہ ان حسین نظاروں کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہے مگر جب وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا ہے تو اسے سوائے ایک موٹی سی بدصورت دیوار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ گویا اس کا ساتھی اسے کشمیر سے متعلق وہ خواب دکھاتا رہا ہے جس کی کوئی حقیقت تھی ہی نہیں۔

گویا یہ افسانہ اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ سیاسی لیڈر کشمیر سے متعلق سنہرے خواب دکھا رہے ہیں اور کئی سالوں سے عوام پر وہ ظلم و جبر ڈھا رہے ہیں جن کے خلاف وہ سراپا احتجاج ہو سکتے تھے مگر کشمیر کے مسئلہ میں انھیں ایسا الجھایا گیا ہے کہ وہ اسی مسئلہ کو اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں مگر ان کے اس طرح کے جذبات کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہوئے انھیں مریض قرار دے دیا گیا ہے۔ یعنی ان کی کشمیر کی آزادی کے لیے

حقیقی جنگ کو ان کی بے وقوفی قرار دیا جاتا ہے اور انھیں ان تاریکیوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے جہاں وہ اپنے خوابوں کی حقیقت کو کبھی نہ دیکھ سکیں۔

دیپک کنول کا افسانہ ''فاصلے'' قیام پاکستان کے وقت جنم لینے والی صورت حال اور اس کے بعد دونوں ممالک میں بارڈر لائین کے قیام کے بعد کی صورت حال پر ایک گہرا طنز ہے۔ان کا یہ افسانہ ایک چھوٹی سی وادی اوڑی کے بیان میں لکھا گیا ہے۔یہ علاقہ دونوں ممالک کی باڈر لائین کے درمیان کا علاقہ ہے۔جس کے متعلق افسانہ نگار یوں بیان کرتا ہے:

> ایک کنارے پر پاکستانی رینجروں کا قبضہ تھا اور دوسرے کنارے پر ہندوستانی افواج کا بیچ میں یہ جوندی بہتی تھی وہ آزاد تھی آج تک کوئی بھی ملک نہ اس کی روانی پر روک لگا پایا تھا اور نہ اس کی سرکشی کو دبا پایا تھا۔۔۔یہی حال پرندوں کا تھا وہ جب چاہتے ادھر سے ادھر چلے آتے تھے۔کوئی انھیں روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ان کے لیے نہ یہ سرحد کوئی معنی رکھتی تھی نہ اس پر پہرہ دینے والے۔بس اگر ممانعت تھی تو وہ تھی انسانوں کو۔(۱۰)

مگر حالات نے پلٹا کھایا اور اسی دوران میں تقسیم ہند کا واقعہ پیش آیا۔جس کے بعد سے بارڈر لائن پر کشیدگی بڑھنے لگی۔دونوں اطراف موجود فوجوں کے درمیان گولا باری کا تبادلہ اب وہاں کا دستور بن گیا۔انہی دنوں میں حاکم دین کا بڑا بھائی جمال دین باڈر لائین پار کر کے پاکستان آگیا۔سال گزر گیا مگر جمال دین کی کوئی خبر نہ آئی۔اس پر جمال دین کی بیوی کی شادی حاکم دین سے کر دی گئی جس سے ایک بیٹا ہوا۔اسی دوران جمال دین مظفر آباد سے باڈر لائین پار کر کے واپس آگیا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی نے اس کے چھوٹے بھائی سے شادی کر لی ہے تو اس کو بہت دکھ ہوا وہ باڈر لائین کراس کر کے دوبارہ واپس چلا گیا۔چھوٹے بھائی حاکم دین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔اس دوران میں بیوی نے رب سے التجا کی جس کے باعث کشمیر میں آنے والے زلزلے میں جمال دین بھی موت کے گھاٹ اتر گیا اور اس کی بیوی زیتوں خدا کے انصاف کو دیکھتی رہ گئی۔اس افسانے میں کشمیر میں ہونے والے مظالم کی جھلکیاں مل جاتی ہے اور بارڈر لائین پر موجود صورت حال کے باعث پیدا ہونے والی غلط فہمیاں کتنی جانوں کا عذاب بن جاتی ہیں اور کتنے لوگ اس بارڈر لائین کے مسئلے کی وجہ سے جیتے جی مر جاتے ہیں گویا اس تمام تر صورت حال کا بیان اس افسانے میں موجود ہے۔

اردو افسانے میں جہاں بھی کشمیر کا ذکر آیا ہے اس کے ساتھ دکھ، غم، کرب کا احساس منسلک ہو گیا ہے بالخصوص آزاد کشمیر اور پاکستان کے افسانہ نگاروں کی تخلیقات میں کشمیر کا استعارہ دکھ اور کرب کا متبادل بن گیا ہے۔ کشمیر کی صورت حال کو اردو افسانے کے علاوہ اردو ناول میں بھی پیش کیا گیا ہے جبکہ کشمیر کی مقامی زبانوں کے روپ پر اس خطے کے سیاسی اثرات کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فتح محمد ملک، ''تحریک آزادی کشمیر اور اُردو ادب''، مشمولہ: اخبار اُردو جلد ۲۱ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان فروری، ۲۰۰۵ء)، ۱۶۹

۲۔ کرشن چندر، کرشن چندر کے ۱۰۰ مشہور افسانے، ترتیب: آصف نواز چوہدری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ۸۹۰

۳۔ قدرت اللہ شہاب، سرخ فیتہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۳۳۹

۴۔ ایضاً، ۱۵۵

۵۔ اشفاق احمد، ''شازیہ کی رخصتی''، مشمولہ: تحریک آزادیٔ کشمیر، مرتبہ: فتح محمد ملک (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۲۵۳

۶۔ اکبر الہ آبادی، کلیات اکبر، (لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن)، ۲۷۸

۷۔ فوزیہ نقوی، ''وطن کی یاد''، مشمولہ: غیرت کشمیر، مرتبہ: محمد سعید اسد (میر پور، آزاد کشمیر، ۱۹۹۲ء)، ۴۳

۸۔ رشید امجد، عام آدمی کے خواب (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ۵۰۴

۹۔ سلطانہ مہر، ''وادیٔ کشمیر کا افسانوی ادب''، مشمولہ: تخلیق، ماہنامہ، ستمبر ۲۰۰۹، ۱۵

۱۰۔ دیپک کنول، ''فاصلے''، مشمولہ: پمپوش (دہلی: راہی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء)، ۱۳۳

1. **Fateh Muhammad Malik**, "The Kashmir Freedom Movement and Urdu Literature," included in: *Akhbar-e-Urdu*, Volume 21 (Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, February 2005), p. 169.
2. **Krishn Chander**, *100 Famous Short Stories of Krishn Chander*, arranged by Asif Nawaz Chaudhry (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2006), p. 890.
3. **Qudratullah Shahab**, *Surkh Feeta* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001), p. 339.
4. **Ibid**, p. 155.
5. **Ashfaq Ahmad**, "Shazia ki Rukhsati," included in: *Tehreek-e-Azadi-e-Kashmir*, edited by Fateh Muhammad Malik (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001), p. 253.
6. **Akbar Allahabadi**, *Kulliyat-e-Akbar* (Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, n.d.), p. 278.
7. **Fauzia Naqvi**, "Watan ki Yaad," included in: *Ghairat Kashmir*, edited by Muhammad Saeed Asad (Mirpur, Azad Kashmir, 1992), p. 43.
8. **Rashid Amjad**, *Aam Aadmi ke Khwab* (Islamabad: Poorab Academy, 2007), p. 504.
9. **Sultana Mehr**, "The Fictional Literature of Kashmir Valley," included in: *Takhleeq*, Monthly Magazine, September 2009, p. 15.
10. **Deepak Kanwal**, "Faslay," included in: *Pamposh* (Delhi: Rahi Kitab Ghar, 2011), p. 133.

کتابیات

- اکبر الٰہ آبادی، کلیات اکبر (لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن)
- دیپک کنول، پمپوش (دہلی: راہی کتاب گھر، ۲۰۱۱ء)
- رشید امجد، عام آدمی کے خواب (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)
- فتح محمد ملک، مرتب: تحریک آزادیٔ کشمیر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)
- قدرت اللہ شہاب، سرخ فیتہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)
- کرشن چندر، کرشن چندر کے ۱۰۰ مشہور افسانے، ترتیب: آصف نواز چوہدری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)

- محمد سعید اسد، مرتب: غیرت کشمیر (میر پور، آزاد کشمیر، ۱۹۹۲ء)

رسائل

- اخبار اُردو جلد ۲۱ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان فروری، ۲۰۰۵ء)
- تخلیق ماہنامہ (لاہور: تخلیق ستمبر ۲۰۰۹ء)